ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عطیہ فیض بلوچ ۞

بلوچی عشقیہ داستانوں میں تصورِ شر

The Concept of Evil in Balochi Romantic Fable

By *Atiya Faiz Baloch, PhD Scholar, Department of Urdu, University of Balochistan, Quetta.*

ABSTRACT

In every literature of the world characters have there own importance. Whether, its poem or prose, characters are present in both. There are many types of characters, out of which, the presence of some of them is essential, just like, Flat (simple) charactor and round (complete) characters. For a good writing the presence of both types of characters is important. In fable, to keep the interest, besides the legend, characters are also equally important, in which the world of fantacy is created. In this fantacy world, there are many persons, out of which five are important. ie, Hero, Heroin, negative character, helping character and fantacy world characters. Hero represent the good, opposite to him, the negative characters represent the Evil. Due to this negative character, there is different twist in the story. In Balochi Romantic fable, these characters are found in different types. At times in the form of Lord/King at time in the form of individual from own clan, at times in the form of every tribe. And some where the rituals of own clan also create problems for the main characters. Initially, these characters are hated in reality, such characters are the source of motivation to keep the hero active. That's why the presence of such characters in fables is mendatory.

Keywords: Characters, Fantacy, Hero, Heroin, Evil, Fable, Romance, Balochi, Lord, King.

لفظ ''کردار'' کو دو معنوں میں دیکھا جا سکتا ہے؛

۞ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، بلوچستان یونی ورسٹی، کوئٹہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۔ یہ کسی شخص کے اچھے یا برے عادات وخصائل کا نام ہے۔
۲۔ افسانوی ادب میں فرضی یا حقیقی سیرت کردار کہلاتی ہے۔

ناقدین کے مطابق کرداروں کی دو اقسام ہیں؛ سادہ کردار اور مکمل کردار۔ سادہ کرداروں سے مراد وہ کردار جو بے لچک ہوں یعنی یا تو وہ مکمل طور پر اچھے ہوتے ہیں یا برے۔ ایسے کرداروں میں ارتقا نہیں پایا جاتا۔ وہ ابتدا سے اختتام تک ایک ہی شکل میں قاری کے سامنے آتے ہیں۔ ان کی شخصیت کہانی میں ارتقائی منازل طے کرتی رہتی ہے۔ لہٰذا ان کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ کسی اچھے فن پارے میں دونوں قسم کے کرداروں کا ہونا ضروری ہے۔

ادب میں لفظ کردار صرف اخلاقی اقدار کو ہی ظاہر نہیں کرتا بلکہ یہ انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ کردار نگار جو کردار تخلیق کرتا ہے اسے ایک عہد یا معاشرت سے وابستہ کرکے اس کی زندگی کے مختلف واقعات، عادات، صورت وسیرت سے روشناس کرواتا ہے۔ داستانوں میں کرداروں کو متعارف کروانے کے کئی طریقے رائج ہیں۔ ایک تو یہ کہ قصہ میں کردار متکلم کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ قاری اس کے حرکات وسکنات سے اس کا مقام متعین کرتا ہے۔ دوسرا کردار قصے میں موجود ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے بارے میں خود کچھ نہیں بتاتا بلکہ اپنے الفاظ میں اس کی تشریح کرتا ہے۔ بعض اوقات ایسے کرداروں کیلئے مصنف اپنی ذات کو قصہ میں شامل کر لیتا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک کردار قصے میں موجود ہی نہیں ہوتا مصنف ہی اس کا ذکر بیان کرتا ہے یا کہانی میں موجود دیگر کردار اُسے متعارف کراتے ہیں۔ داستانی کردار زمان ومکان سے مربوط ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق ایک عہد اور ایک معاشرت سے ہوتا ہے۔ جس میں وہ چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ داستان نگار کا کمال ہے کہ وہ کرداروں کے ذریعے ان کی زندگی کے پہلو ان کی عادات کو سامنے لاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ زندگی سے متعلق اپنا نقطۂ نظر بھی ان کی زبانی ادا کرتا ہے۔ یوں کردار محض کسی تہذیب ومعاشرت کے عکاس ہی نہیں ہوتے بلکہ لکھنے والے کے خیالات بھی واضح کر جاتے ہیں۔ لہٰذا کرداروں کی تخلیق میں مصنف کو بطور خاص محنت کرنی پڑتی ہے۔ کردار ایک سے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان میں تنوع پایا جاتا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر سعدیہ بشیر:

> کردار ہمیشہ جذباتی اور نفسیاتی پس منظر رکھتے ہیں۔ ایک کردار دوسرے کردار سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ جس میں ان کی فطرت، مشاغل اور حالات زندگی اہمیت رکھتے ہیں۔(۱)

داستان نگار کوشش کرتا ہے کہ ایسے کردار متعارف کروائے جن سے قاری کی اچھی شناسائی ہوجائے یا ان کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

فطرت سے آشنائی ہوتا کہ وہ کردار قاری کو مانوس سا لگے۔ کرداروں کو موقع محل کے مطابق ترتیب دینا بھی داستان نگار کی بہت بڑی خوبی ہے۔ قصے کے دوران کسی کردار میں واقعہ کے مطابق تبدیلی دکھانا مقصود ہو تو اس پر غیر محسوس سا دباؤ ڈالتا ہے۔جس سے تبدیلی فطری معلوم نہیں ہوتی۔

داستانوں میں عموماً پانچ قسم کے کردار اہم ہوتے ہیں ۔ مرکزی کردار یعنی ہیرو اور ہیروئن ، منفی کردار ، مددگار کردار، خیالی دنیا کے کردار یعنی مافوق الفطرت عناصر، وہ ضمنی کردار جو اُن کرداروں کیلئے بڑھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ان تمام کرداروں میں انسانی صفات جیسے نیکی ، بدی ،نفرت ،محبت ، رشک ، ایثار وقربانی جیسے جذبات ہوتے ہیں۔ ان صفات کی بدولت قصوں میں انسانی فطرت کی صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ داستانوں کے مرکزی کرداروں کو اہم بنانے والا کردار ہی اصل میں داستان کی جان ہے۔لیکن ایسے کرداروں کو اہمیت اس لیے نہیں دی جاتی کہ وہ مرکزی کرداروں کے لیے مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ ایسے کردار منفی کردار کہلاتے ہیں۔شہناز کوثر منفی کردار کے معنی یوں واضح کرتی ہیں:

> داستانوں کے انسانی ،حیوانی اور غیر مرئی بدمعاش، پاجی اور لُچّے منفی کردار ''شر'' کی ذیل میں آتے ہیں۔شر عربی زبان کا لفظ ہے۔شر کا لفظ بُرا، برائی اور تکلیف رساں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(۲)

خیر کے مقابلے میں شر کا وجود اتنا ہی قدیم ہے جتنی یہ دنیا، کیوں کہ تمام مذاہب میں ایسی دعائیں مانگی جاتی ہیں کہ اے خدا ہمیں شر سے محفوظ رکھ اور راہ راست پر چلنے کی توفیق دے۔شر کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جس میں انسانی ارادوں کا کوئی دخل نہیں اور انسان اس شر کے خلاف بے بس ہوجاتا ہے ۔ جب کہ دوسری قسم وہ جو انسان کے اختیار کے غلط استعمال سے تعلق رکھتا ہے۔شر کو داستانوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو ہیرو کی شہرت کا سبب شر سے تصادم میں ہوتا ہے۔کامیابی ہمیشہ مرکزی کردار کے حصے میں ہی آتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کامیابی ہیرو کا مقدر ہے تو منفی کرداروں کی شمولیت داستان میں کیوں ضروری ہے؟ داستان کی زمین میں تنوع ہے۔کرداروں کی بھیڑ ہے۔ انسان ہمیشہ سے تجسّس میں دلچسپی لیتا رہا ہے۔اسی تجسّس کو برقرار رکھنے کیلئے مصنف کرداروں سے ایسے افعال سرانجام دلواتا ہے جو پڑھنے والے کو کہانی کے سحر سے نکلنے نہیں دیتے۔لہٰذا مصنف ایسے کردار تراشتا ہے جو قابلِ نفرت ہوں اور ہیرو کے لئے مصائب کا سبب بنیں۔

بلوچستان کی عشقیہ داستانیں بھی دیگر خطوں کی داستانوں کی طرح نثر کا اولین نمونہ ہیں۔ یہ داستانیں، داستان گو کی زبانی سینہ بہ سینہ چلتی رہیں۔ اور آج تحریری شکل میں موجود ہیں۔ ان کے ہاں بھی قصوں میں منفی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کردار موجود ہیں ۔ جو کہانی کو پُر پیچ بنانے میں مددگار ثابت ہوئے ہیں۔مشہور بلوچی داستان ''حانی و شہ مرید'' کے کردار بچپن میں ہی ایک دوسرے سے منسوب کر دیئے گئے تھے۔ جوان ہونے پر حانی کی خوب صورتی کے چرچے مچ و بولان کے کونے کونے تک پہنچ گئے۔اُس عہد میں سردار چاکر سبّی میں دربار لگاتا تھا جس میں عمائدین شہر کی شرکت ہوتی تھی ۔ شہ مرید بھی دیگر سرداروں کے ساتھ چاکر کے دربار جاتا۔ حانی کے حسن کا چرچا سردار چاکر کے کانوں تک بھی پہنچتا ہے لیکن اُس کی جھلک سے محروم رہتا ہے۔ ایک مرتبہ شکار کے دوران حانی کے گھر پانی پینے جاتا ہے اور اُس سے پانی طلب کرتا ہے۔طلبِ آب کو غوث بخش صابر اس انداز میں بتاتے ہیں:

> میر چاکر! ہمارے سردار، آپ کیسے تشریف لائے ہیں۔عظیم چاکر خان نے جواب دیا۔ حانی ! میں پیاسا ہوں۔ حانی اُلٹے پاؤں گئی ایک کٹورا مانجھ کر پانی سے بھر کر لائی۔(۳)

یہاں چاکر اعظم کا یہ کہنا کہ حانی میں پیاسا ہوں اس کی ذہنی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔جس کے تحت وہ حانی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔منفی سوچ کا حامل یہ کردار داستان میں شہ مرید سے حانی کو چھین لیتا ہے۔ یہاں شہ مرید اپنی محبت پر روایات کو فوقیت دیتا ہے۔ جو ایک سچے عاشق کی خودغرضی کہی جاسکتی ہے۔ بلوچ رسم ورواج کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنا شر کے کردار کی ذہنی اپج کا پتا دیتی ہے۔سردار چاکر کے کردار کو آج کی انسانی دنیا میں دیکھا جائے تو شر کا حامل یہ کردار آج بھی موجود ہے۔ اور اپنی پسند کی ہوئی ہستی کو حاصل کر کے ہی دم لیتا ہے لیکن طریقہ کار کچھ مختلف ہے۔آج کے سردار اور نوابین اپنی رسوم کو ڈھال بنا کر محبت کو پا لیتے ہیں ۔ بھاری لب یا ولور دے کر کم سِن اور حسین بچیوں سے عقد کر لیتے ہیں ۔لب وولور یہاں کی ثقافت کا فکری پہلو ہے۔جس پر یہاں کے قبائلی سختی سے کار بند ہیں۔ بھاری رقم کے عوض بچیوں کو بڑی عمر کے مردوں کے ساتھ بیاہ دیتے ہیں ۔بظاہر تو سردار اور نوابین روایات میں رہ کر یہ فعل انجام دیتے ہیں ۔لیکن در پردہ عوام میں ان کے اس فعل کو منفی تصور کیا جاتا ہے۔

داستانی دنیا خیر وشر پھیلانے والے کرداروں سے پُر ہے۔ خیر کے نمائندے بغیر کسی کو ایذا پہنچائے اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں ۔ان کے نزدیک زندگی کا ایک ہی مقصد ہے ۔ اسی کے حصول میں لگ جاتے ہیں۔ ان کے مخالف وہ کردار جو انھیں جگہ جگہ تکلیف پہنچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان دونوں کے تصادم کے نتیجے میں داستان نگار اپنا مقصد پا لیتا ہے۔ بلوچی عشقیہ داستان ''شہداد و ماہناز'' میں خیر وشر کا تصادم بھی اس عام معاشرتی پہلو کو اجاگر کرتا ہے ۔جس میں عورت اپنی سوکن کے خلاف سازشیں کرتی ہے۔ اس داستان کے تین مرکزی کردار شہداد،

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ماہناز اور مرگو ہیں۔ مرگواس داستان میں شہداد کی پہلی بیوی اور منفی سوچ کا حامل کردار ہے۔ وہ ماہناز کو رسوا کرنے کیلئے دوسرے شخص کے ساتھ اس کے روا بط کا الزام لگاتی ہے۔ اختتام داستان اپنی سازش میں کامیاب بھی ہوجاتی ہے۔ عاشق شہداد تمام تر کوششوں کے باجود معاشرے میں پائی جانے والی خواتین کی مخصوص ذہنیت کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ اور منزل پر پہنچ کر بھی نامراد لوٹتا ہے۔ دوسری طرف مرگو جیسے شر کے حامل کردار ہر معاشرے میں موجود ہیں۔ جنھیں کبھی تو فتح نصیب ہوتی ہے اور کبھی ان کی منفی سرگرمیاں انھیں ہی ختم کردیتی ہیں۔قدیم وقتوں کی طرح دورِ حاضر میں بھی ایک سے زیادہ ازدواج رکھنے کا رواج ہے۔ شہروں کی نسبت دیہاتوں میں یہ عام سی بات ہے۔ شہر کی تیز رفتار زندگی نے مردوں کو تلاش معاش میں پھنسا کے رکھا ہے اس لئے وہ ایک ہی شادی نبھانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ جہاں کثیر الازدواجی کی بات آتی ہے تو وہ صورتحال دیکھنے میں نہیں آتی جو شہداد اور ماہناز کے کے قصے میں موجود ہے۔ آج کل کی جدید ترقی نے ذرائع ابلاغ میں اتنی وسعت پیدا کردی ہے کہ شوہر یا بیوی کے دل میں غلط فہمی پیدا کرنا آسان نہیں ۔ یہاں کے قبائلی بھی تعلیمی شعور ملنے کے بعد ازدواج کے درمیان مساوات قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔جس سے منفی سوچ رکھنے والے کرداروں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

عشقیہ داستانوں کا حاصل یقیناً محب ومحبوب کا ملاپ ہے۔ اس ملاپ کے نتیجے میں داستانی کہانیوں کی جو فضا بنی ہے ان میں دلچسپی و دلفریبی ،تخیل وتصور کی کشمکش ، باطل پر حق کی فتح،مسرت وشادمانی کا رنگ، انسان اور فطرت کا تصادم وغیرہ سے ایسی نئی دنیا بسائی ہے ۔جو کبھی کبھی حقیقی دنیا سے زیادہ سچی اور قابل یقین نظر آتی ہے۔ کیوں کہ یہ ساری باتیں دل کیلئے قابل قبول بن جاتی ہیں اور داستان کا فن قائم ہی دل کے لئے ہے۔عشق کی ابتدا حسن سے مرعوب ہونا اوراور اس کی انتہا اس حسن کا حصول ہے۔ جیسا کہ بلوچستان کے علاقے پنجگور سے تعلق رکھنے والے بلوچی زبان کا شاعر مُلا عزت مہر بانو یعنی مہرک کے حسن کا چرچا سن کر اس کے علاقے تک پہنچ جاتا ہے۔ مہرک کا باپ سالک منفی یا شر کا نمائندہ کردار تو نہیں لیکن عزت کیلئے مہرک کا حصول مشکل ضرور بنا دیتا ہے۔اور مہرک کے عوض بھاری لب (شادی کے اخراجات) کا مطالبہ کر بیٹھتا ہے تاکہ وہ مہرک سے دستبردار ہوجائے ۔ عاشق کیلئے ہر قسم کی مشکلات سے نبرد آزما ہونا بھی کسی لذت سے کم نہیں کیوں کہ مشکلات کا راستہ محبوب تک جاتا ہے۔لہٰذا اس داستان میں بدنامی کے داغ کو روایات میں ڈھال کر مقصد کا حصول بنایا گیا ہے۔عزت تمام مطالبات پورے کرکے سالک کے منصوبے کو ناکام بناتا ہے۔رشتے طے ہونے میں مخالفت کا سامنا ہر قوم قبیلے کے لوگوں کو کرنا پڑتا ہے۔کہیں انکار کی صورت میں ،کہیں بھاری لب و ولور کی صورت میں تو کہیں جوڑ نہ ملنے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کی صورت میں۔ بلوچ معاشرے میں انکار کی صورتوں میں قبائلی دشمنیاں پنپنے لگتی ہیں۔جس سے شر کے نمائندوں میں اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے۔عزت و مہرک کے معاشقے کو عصرِ حاضر میں دیکھا جائے تو اس میں موجود شر کے نمائندے آج بھی معاشرے کا حصّہ ہیں۔اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر انکار کی صورت تلاش کر لیتے ہیں اور فریق ثانی کے لیے مشکلات بڑھا دیتے ہیں۔

یہاں کی عشقیہ داستانیں رزمیہ داستانوں کی پیداوار ہیں۔جنگوں کا تذکرہ یہاں کے قبائل کی زندگی میں عام ملتا ہے۔ یہ جنگیں زیادہ تر ان کی آپس کی دشمنیوں کے حوالے سے ہیں۔اس کے علاوہ کچھ وہ جنگیں جن میں دیگر اقوام نے ان پر حملہ کیا تو اپنے وطن کے دفاع کیلئے بھی یہ قبائلی سینہ سپر رہے ہیں۔''للہ و گراناز'' کے معاشقے میں بھی ایک جنگ مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ یہاں للہ کا مقابلہ کسی ایک منفی سوچ کے حامل فرد سے نہیں بلکہ ہر معاشرے میں موجود اس خاص طبقہ سے ہے جو بات کی صحت تک پہنچے بغیر آگے پہنچا دیتے ہیں۔ ایسی افواہوں کے نتائج بھی دور رس ہیں۔نتیجتاً للہ اور گراناز کے درمیان جدائی کا بیج بو دیا جاتا ہے۔گراناز کے باپ اور بھائیوں کی اپنے مخالفین کے ساتھ جنگ میں للہ بھی حصہ لیتا ہے لیکن گراناز تک یہ بات پہنچتی ہے کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ گیا ہے اس طرح گراناز کے دل میں للہ کیلئے نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسے میں خیر کا علمبردار ایک قاضی کا کردار دونوں کو پھر سے ایک کر دیتا ہے۔ داستانی کہانیوں کے پُر پیچ موڑ پر ایسے کردار نمودار ہوکر منفی کرداروں کے داؤ پیچ کو ناکام بنانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ قاضی جیسے کردار ہمارے معاشرے میں کم ہی ملتے ہیں جو لوگوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں۔ایسے کردار خیر کو شر پر غالب کرواتے ہیں بہ قول ڈاکٹر صغیر افراہیم:

> ویسے انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ تمام موالغات کے باوجود اصل مقصد برآئے نیکی کی فتح ہو اور اسے ہر شخص قبول کرے۔ اس انسانی خواہش کا اظہار داستانوں میں بھرا پڑا ہے۔(۴)

لہٰذا داستانوں میں نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت کیلئے ایسا ماحول پیدا کیا جاتا ہے کہ جس میں نیکی آخر کار بدی پر غالب آجاتی ہے۔اس تاثر کو برقرار رکھنے کے لیے لکھنے والے انوکھے کردار تراشتے ہیں۔ اور پھر ان کرداروں کیلئے اسی طرح کے واقعات بھی قصوں میں لے آتے ہیں تاکہ قارئین اس بات کو قبول کریں کہ خیر کو شر پر غالب کرنے والی ذات غیب کی ہے۔

ہر قوم و قبیلے کی اپنی رسوم، اپنی روایات اور رواج ہیں۔ روایات سے انحراف کرنا ان کے لئے مشکل امر ہے۔''بیگم اور رئیس درویش کی داستانِ عشق'' میں بظاہر کوئی مجسم منفی کردار نظر نہیں آتا سوائے ان رسوم کے، کہ جس

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کی پاسداری میں وہ دونوں ایک ہوکر بھی ایک نہ ہوسکے۔ یہاں شر کے ذیل میں وہ پورا قبیلہ آتا ہے۔ جو ایک مغنیہ کو شادی کے بعد اپنے اُس پیشے سے دور کر دیتا ہے جس کی بدولت وہ رئیس درویش جیسے موسیقار کے عشق میں مبتلا ہوئی تھی۔ شادی کے بعد قبیلے والوں کی موجودگی میں موسیقی کی محافل میں شرکت کرنا بیگم کیلئے روایات سے انحراف کے مانند تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے روایات خوشیوں کی ضامن ہوسکتی ہیں جن کی پاسداری میں لوگ ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں؟ یا صرف اطمینان قلب کے لیے انھیں اپنایا جاتا ہے۔ عشقیہ داستانیں تو ملاپ کے انجام کی خواہاں ہوتی ہیں۔ لیکن معاشرے کے کچھ طبقے ایسے ہیں جو اہم نہ ہوتے ہوئے بھی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا انجانا خوف نتائج پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس دنیا میں آباد انسانی بستیاں جہاں جہاں بھی موجود ہیں۔ ان کے اپنے رسوم و روایات ہیں۔ چاہے وہ افریقا کے جنگلات میں بستے ہوں یا صحراؤں میں یا پھر دریاؤں کی سرزمین پر، اپنی روایات کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ ان سے انحراف کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ بیگم و رئیس درویش کے معاشقے میں بلوچ روایات غالب آ گئی ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں انسان چاہے جتنا بھی آزاد خیال کیوں نہ ہوجائے اپنی روایات کے دائرے سے نہیں نکل سکتا۔ اس کی ثقافت، رسوم و رواج اس کی حفاظت کی ضامن بھی ہوتی ہیں۔ لیکن جب عشق کی بات آتی ہے تو لوگ ان روایات کو برا بھلا کہتے ہوئے ان سے انحراف کرتے ہیں۔ یہیں سے اس کی بربادی بھی شروع ہوتی ہے۔ اپنے قوم قبیلے سے نکل کر فردِ واحد کی حیثیت سے زندگی گزارنا کسی مشکل سے کم نہیں۔

انسان کی ابتدائی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو وہ انتہائی سادہ تھی۔ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور اُوڑھنے پہنے میں کوئی خاص التزام نہیں تھا۔ اس وقت اس کے نزدیک زندگی کے دو ہی مقاصد تھے اول حفاظت نفس اور دوم شکم پروری۔ انھی مقاصد کو لے کر وہ نہ صرف جانوروں سے لڑتا بلکہ ساتھ بسنے والے دوسرے انسانوں سے بھی لڑتا تھا۔ لہٰذا لکھنے والوں نے ابتدائی افسانوی کہانیوں میں ابتدائی دور کے انسانوں کی بہادری کے کارناموں کو رقم کرنا شروع کر دیا۔ ان سے آنے والی نسلوں کے مردانہ شجاعت کی تاریخ بنتی ہے۔ یہ اس دور کا رزمیہ عنصر ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ انسان کی یہ جنگیں روپ بدلتی رہیں اور مذہب کے دخول کے ساتھ مذہبی جنگ کا روپ اختیار کر گئی۔ جب یہ جنگ تبلیغی مقاصد کے لئے ہونے لگی تو مذہب کے پیروکاروں نے خیر و شر اور حق و باطل کا ایک پیمانہ کھڑا کر دیا۔ آج جو ہم داستانوں میں خیر و شر سے بار بار ٹکراتے ہیں۔ یہ اسی عہد کی یادگار ہے۔ جو کہانیوں میں موجود ہے۔ انھی کے وجود سے قصے پنپتے ہیں۔ بلوچی عشقیہ داستانوں میں سوائے چند ایک کے، دیگر داستانوں میں خیر و شر ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ سمو کے عشق میں مختلف القابات پانے والا عاشق توکلی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کبھی مست، کبھی مستال تو کبھی سمو بیلی مست جیسے نام سنتا اور شاد ہوتا تھا۔ انھیں مست کہلوانا زیادہ پسند تھا۔

اپنی شاعری میں تخلص کے لیے مست کا لفظ ہی استعمال کرتے تھے۔ پہلی ہی نظر میں سمو کو دیکھ کر ہوش و حواس کھونے والے عاشق توکلی کو اس وقت مخالفت و مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جب سمو کے گاؤں والے اور خود اس کا شوہر اس کے مخالف ہو گئے۔ اسے گاؤں بدر کر کے ایذا پہنچائی گئی لیکن وہ سچا عاشق جہاں بھی گیا سمو کے نام کا جام ہی پیتا رہا۔ منفی قوتوں کے آگے بے بس ہو کر دل کی تشفی کے لیے اپنے گاؤں والوں کو اکٹھا کر کے سردار کی مدد سے سمو سے غائبانہ شادی کر لی۔ یہ عشق کا انوکھا انجام ہے۔ اس داستان میں خیر و شر کے نظریے سے ہٹ کر عشق کا وہ جذبہ کارفرما تھا کہ جو مجازی سے شروع ہو کر حقیقی تک جا پہنچا۔ عشق چاہے کسی بھی عمر میں کی جائے سماج میں اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ حالاں کہ یہ ایک فطری عمل ہے۔ اس جذبے کے بغیر انسانی زندگی نامکمل تصور کی جاتی ہے۔ کچھ لوگ ہمت کر کے اظہار کر لیتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ روایات کی پاسداری میں اس فطری جذبے کو سینے میں دفن ہی رکھتے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کھلم کھلا عشق کرنا ہر قوم قبیلے میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ بلوچ قبائل میں غیر مرد کا غیر عورت سے عشق کسی طور پر قبول نہیں ہے۔ ہاں بچپن میں منسوب ہونے کی صورت میں جوانی تک پہنچنے والا عشق ان کے ہاں برا تصور نہیں کیا جاتا۔ مست توکلی اور سمو کا معاشقہ بھی بلوچ سماج میں اس لیے رد ہوا کیوں کہ دونوں اجنبی تھے۔ دو مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ثقافت انھیں اس جذبے کو اپنانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ لیکن مست توکلی روایات سے بغاوت کر کے دو مختلف قبائل کی دشمنی مول لیتا ہے۔

داستانوں کے مقاصد بے شمار ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان میں دو مقاصد کو اوّلیت حاصل ہے۔ پہلا مقصد تو نیکی یعنی خیر کو بدی یعنی شر پر برتر ہونا ہے۔ اور دوسرا مقصد تفریح طبع اس انداز میں ہو کہ طبیعت پر ناگوار نہ گزرے۔ کہانیاں سبق آموز ہوں انھی کرداروں کے ذریعے اچھے کام کرنے اور برائی کو روکنے کی ترغیب دینا ان مقاصد میں سے ایک ہے۔ لہٰذا یہ بات طے ہے کہ خیر و شر ہر داستان میں باہم موجود ہوں گے اور ان کے افعال بھی اپنی فطرت کے مطابق ہوں گے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں سامری کا حُسن سردار محبت خان کو بھا جاتا ہے۔ اور وہ اسے زبردستی اٹھوا کر اپنے قلعے میں قید کر دیتا ہے۔ اس کا غریب موچی شوہر سماج کے اعلیٰ طبقے سے نہیں جیت سکا تو غیبی قوت سے رجوع کرتا ہے۔ بزرگوں کی کرامات کے طفیل بہت سے ناممکن کام بھی ممکن ہو جاتے ہیں۔ یہاں اعتقاد کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ کی ذات پاک کے ساتھ اولیائے کرام کی کرامات کو بھی مانتے ہیں۔ لہٰذا قصوں میں ان حضرات کی مدد سے شر کو مغلوب کر کے خیر کو اس پر غالب کیا جاتا ہے۔ بلوچی داستان سامری میں بھی شکست شر کی ہوتی ہے اور وہ اپنے شوہر کو دوبارہ پا لیتی ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

''بیبرگ و گراناز'' کا معاشقہ قندھار سے شروع ہوکر وادی بولان میں ختم ہوتا ہے۔ ان دونوں کا ملنا بھی حد درجہ مشکل تھا۔ ایک طرف حاکم قندھار کی مخالفت، جس کی بیٹی گراناز کو وہ بھگا کر لے گیا اور دوسری طرف اپنے قبیلے کی عداوت کہ اس نے دوسرے قبیلے کی مخالفت مول لی تھی۔ بیبرگ کے لیے عشق کے پُرخطر راستے میں وہ لوگ کام آجاتے ہیں۔ جو داستان میں شر کے طور پر مشہور ہیں یعنی ان کا مخالفِ قبیلہ، جن کے سردار گوہرام سے بیبرگ کا خاندان تیغ وتلوار کے ذریعے بات کرتا تھا۔ داستان میں شر کا نمائندہ یہ کردار اپنی روایات ومہمان نوازی کی وجہ سے اپنے دشمن بیبرگ اور اس کی محبوبہ گراناز کو پناہ دے کر بچا لیتا ہے۔ اس ضمن میں غوث بخش صابر کہتے ہیں:

> عداوت اور رنجشیں اپنی جگہ، مہمان نوازی اور پناہ دہی کی عظیم روایات کے احترام میں سردار گہرام خان لاشاری نے بیبرگ کا شایان شان استقبال کیا۔(۵)

دیگر داستانوں کے برعکس یہاں شر کے لئے مخصوص کردار مرکزی کرداروں کی مدد کرتا ہے۔ اور حاکم قندھار جو بیبرگ کا مخالف اور شر کی صورت ظاہر ہوتا ہے، سردار گوہرام کی وجہ سے شکست تسلیم کر لیتا ہے۔ یوں بیبرگ اور گراناز ایک ہوجاتے ہیں۔ اس قصے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں بلوچ معاشرے کی روایات اور تمدن نتائج کی بارآوری میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ عشقیہ داستانوں کا مرکز ومحور عشق کا حصول ہے۔ جس کا راستہ اپنی روایات سے بغاوت کر کے نکلتا ہے۔ بغاوت کرنے والوں کو معاشرے میں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ بلوچ سماج ہو یا کوئی اور تہذیب عشق کرنے کو ناپسندیدہ فعل تصور کیا جاتا ہے۔ اکثر عشق کی منزلیں دو مختلف ثقافتوں یا زبانوں کے درمیاں یکجا ہوتی ہیں۔ پھر تو ان کی راہیں اور بھی کٹھن ہوجاتی ہیں۔ ایسے میں منفی قوتیں زیادہ شدت سے اثر انداز ہوتی ہیں اور شر پھیلانے والے عناصر کی کامیابی دوگنی ہوجاتی ہے۔ بیبرگ و گراناز دو مختلف تہذیبوں کے پروردہ کردار ہیں۔ آج بھی دو غیر زبانوں سے تعلق رکھنے والے انسان عشق میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کی مخالفت کا انداز بھی وہی ہے۔ انھیں جگہ جگہ منفی قوتوں سے ٹکرانا پڑتا ہے۔ لیکن وہ اپنی جگہ ثابت قدم رہتے ہیں۔

ہر داستان میں شر پھیلانے والے کردار دوسری داستان سے مختلف ہیں۔ بلوچی عشقیہ داستان کیا وصدو کے درمیان معاشقہ مکران کی چراگاہوں میں پروان چڑھتا ہے لیکن اپنی روایات کے تابع ہوتے ہوئے وہ دونوں بڑوں کی رضامندی سے ایک ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن روایات کی پاسداری میں جب کیا مقررہ وقت تک شادی کا انتظام نہیں کر پاتا اور لوٹ کر واپس نہیں آتا تو وہ لمحات دونوں کو ایک دوسرے سے جدائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ بلوچ رسم کے مطابق منگیتر وقتِ مقررہ پر ''لب'' کا انتظام نہ کر سکے تو لڑکی کی شادی کہیں اور کر دی جاتی ہے۔ صدو کے لئے بھی اس کے والدین یہی فیصلہ کرتے ہیں۔ چوں کہ وہ اپنی روایات سے واقف تھی لہذا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کِیا کے نام درد بھرا خط لکھ کر اپنی جدائی کا احوال لکھتی ہے۔ یہاں دونوں کو الگ کرنے والا کوئی مجسم انسان نہیں بلکہ ان کی اپنی روایات ہیں جس کی پاسداری کر کے وہ اپنے قبیلے والوں کے ساتھ رہ سکتے تھے ان سے رُوگردانی کرنے والوں کو قبیلے والے اپنے سے الگ کر دیتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی یہ روایات دیگر معاملات زندگی میں بھی معاون ثابت ہوتی ہیں؟ یا عوام الناس ان رسوم کو ایک کبیرہ بوجھ کے طور پر اپنانے پر مجبور ہیں۔ یقیناً ہر قوم قبیلہ اپنی روایات کو مقدم جانتی ہے۔ ان کے بہت سے اچھے پہلو بھی ہیں۔ انھی کے ساتھ یہ قبائل اپنی زندگی کے شب و روز بسر کرتے ہیں گزرتے وقت کے ساتھ روایات میں مثبت تبدیلیاں بھی دیکھنے میں آ رہی ہیں۔

بلوچی عشقیہ داستانوں میں شر کا تصور کہانیوں میں موجود ہے۔ ان کی شکست کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں۔ اکثر داستانوں میں یہاں کی رسوم، روایات، قبائلیت معاشرے میں موجود لوگوں کی مخصوص ذہنیت کی وجہ سے منفی سوچ رکھنے والے کرداروں کو شکست فاش ہوئی ہے۔ یہاں کی عشقیہ داستانیں چوں کہ زمینی حقائق کے قریب تر ہیں۔ لہٰذا اپنے گردوپیش میں ہونے والی تغیرات کو، جو وقت کے ساتھ لوگوں کی سوچ میں پنپتے رہے، قبول کیا ہے۔ انھی تبدیلیوں کو لکھنے والوں نے اپنی تحریروں کا حصہ بنایا ہے۔ ہر داستان میں منفی سوچ کے حامل کردار دوسری داستان سے مختلف ہیں لیکن سب کا مقصد حیات شر انگیزی ہے۔ شر کا وجود ازل سے ابلیس کی صورت موجود ہے۔ اس کا کام منفی قوتوں کو ابھارنا اور ایذا پہنچانا ہے۔ ان کے مقابل خیر کے نمائندہ کردار بھی وجود رکھتے ہیں۔ جو اُن کی طرف سے پہنچائی گئی ہر مشکل و پریشانی کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ داستان کے اجزائے ترکیبی میں تصادم کو اہم قرار دینا چاہیے۔ کیوں کہ تصادم کی صورت میں یہ کردار قدم قدم پر ایک دوسرے کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہیرو کبھی جادوگر سے لڑتا ہے تو کبھی دیو سے، کبھی اژدھے سے تو کبھی عیار دشمن سے، یہ تصادم عام نوعیت کے بھی نہیں ہوتے بلکہ زندگی و موت کی جنگ ہوتی ہے۔ ہیرو کے مقابلے میں منفی کردار اپنے اپنے فن کے ماہر ہوتے ہیں۔ جب کہ ہیرو اپنی محبوبہ کے حصول کے لیے ہر قسم کی منفی قوتوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ لیکن وہ تمام تر مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔ یہی مشکلات کہانی کو آگے بڑھاتی ہیں۔ ان کرداروں کے درمیان تصادم سے کہانی دلچسپ بھی ہو جاتی ہیں۔ شر کے حامل کرداروں کی وجہ سے ہی تو ہیرو، اصل ہیرو بنتا ہے۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی سے نکل کر صحراؤں، پہاڑوں اور جنگلوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے۔ طرح طرح کی مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور جدوجہد جاری رکھتا ہے۔ عشقیہ داستانوں میں کردار نگاری کے حوالے سے شر پسند عناصر کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ یہ کردار اصل میں ہیرو کے تحرک کا باعث بنتے ہیں۔

انسانی دنیا میں متضاد چیزوں کی جوڑی ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ دن رات، صبح شام، گرم سرد،

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اچھا برا، نیک بد وغیرہ انسانی زندگی کو متاثر کرتے ہیں ۔ پیکر مجسم کی صورت خیر وشر کے وجود سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی معاشرے میں سب کے سب نیک کردار ہوں یا سب کے سب بدی کی نمائندگی کرتے ہوں ۔ قبائلی طرز زندگی کی بات کی جائے تو دیگر معاشروں کی طرح یہاں بھی دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔عشقیہ داستانوں کے کرداروں کا تعلق زمینی دنیا سے ہے۔ انسانی نفسیات کا اطلاق ان کرداروں پر بھی ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ داستانیں کئی صدی پہلے گویوں کی زبانی چلتے ہوئے تحریری صورت اختیار کر گئی ہیں۔ ان میں وہ عناصر زیادہ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ جو انسانی نا پختہ ذہن کی پیداوار ہیں۔ رسوم و روایات ، سماجی و معاشرتی زندگی پر غالب تھیں ۔فکری عناصر کو اوّلیت حاصل تھی ۔ لہٰذا عوام الناس انھی کے تابع تھی۔وقت کے گزرتے لمحات نے بلوچستان کے باسیوں بالخصوص بلوچ قوم کی ذہنیت کو بدلنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔آج بھی ان کے ہاں عشق کے جذبات ابھرتے ہیں ۔لیکن رکاوٹ ڈالنے والے عناصر میں کمی آئی ہے۔عشق کا جذبہ منفی قوتوں پر غالب آ گیا ہے۔ کئی صدیاں پہلے بلوچ اقوام دیگر اقوام میں رشتے ناطے کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔لیکن آج ان کی سوچ میں تبدیلی آ گئی ہے۔ ثقافتی سطح پر اس تبدیلی کو انھوں نے قبول کیا ہے۔ مخالفت کرنے والے عناصر اپنی جگہ موجود ہیں۔لیکن ثقافتوں کا تبادلہ بھی جاری ہے۔ بلوچی عشقیہ داستانوں کو موجودہ عہد میں دیکھا جائے تو ان سے بلوچی سماجی زندگی میں کافی حد تک تبدیلی آئی ہے۔ داستانی کردار تو شر پسند عناصر کے سامنے بے بس تھے۔لیکن آج کا انسان ذہنی بالیدگی و پختگی کی وجہ سے ایسے عناصر کو شکست دینے میں کامیاب ہوا ہے۔ غلط فہمی پھیلانے والوں کا دلائل سے مقابلہ کرتا ہے۔انھیں اپنی خوشیوں کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتا۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سعدیہ بشیر، ''اُردو داستانوں کے نسوانی کرداروں کا تہذیبی مطالعہ''، ''الحمد'' تحقیقی و تنقیدی مجلّہ، شمارہ ۴ ،جولائی تا دسمبر ۲۰۱۶ء، (اسلام آباد: الحمد اسلامک یونی ورسٹی)،ص ۲۲۱

۲۔ شہناز کوثر، ''اُردو داستانوں کے منفی کردار: آغاز تا ۱۸۱۰ء:''، (لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، اپریل ۲۰۱۲ء)،ص ۲۳

۳۔ غوث بخش صابر، ''حانی شہ مرید''، (اسلام آباد: لوک ورثہ اشاعت گھر، سنہ ندارد)،ص ۲۶

۴۔ ڈاکٹر صغیر افراہیم، ''نثری داستانوں کا سفر''، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۴ء)، پہلا ایڈیشن،ص ۲۴

۵۔ غوث بخش صابر، محولۂ بالا،ص ۹

مآخذ

۱۔ افراہیم، صغیر، ڈاکٹر، ''نثری داستانوں کا سفر''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۴ء، پہلا ایڈیشن

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۔ صابر، غوث بخش، ''حانی شہ مرید''، اسلام آباد: لوک ورثہ اشاعت گھر، سنہ ندارد
۳۔ کوثر، شہناز، ''اُردو داستانوں کے منفی کردار: آغاز تا ۱۸۱۰ء:''، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، اپریل ۲۰۱۲ء

رسائل و جرائد

۱۔ ''الحمد''، تحقیقی و تنقیدی مجلّہ، شمارہ ۴، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۶ء، اسلام آباد: الحمد اسلامک یونی ورسٹی